جواز کی صورتیں

بیع سلم:

اس بیع میں کسی چیز کا موسم آنے سے کچھ عرصہ قبل سودا کرلیا جاتا ہے۔ (اس سودے میں چار چیزوں کا تعین کرنا ضروری ہے۔

۱۔ جنس، ۲۔ قیمت، ۳۔ مقدار، ۴۔ مدت

اور پوری کی پوری رقم پیشگی ادا کردی جاتی ہے۔ یہ تجارت جائز ہے تاہم کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی۔ (۱)

ہرج:

''نیلام'' جس میں بائع بذریعہ بولی زیادہ سے زیادہ قیمت وصولی کرسکتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد نبوی میں بیٹھ کر چند اشیاء نیلام فرمائیں۔

اب بیع کی ان دونوں صورتوں کے متعلق آپ کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَھُوَ یُسْلِفُوْنَ فِی الثِّمَارِ السَّنَۃَ وَالسَّنَتَیْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَلْیُسْلِفْ فِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ وَ وَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ (۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں کے ایک دو یا تین سال کے لئے پیشگی سودے کرلیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جو کسی چیز میں پیشگی سودا کرے تو اسے چاہئے کہ مقررہ ماپ میں مقررہ وزن میں اور مقررہ مدت تک کے لئے سودا کرے۔

بیع سلم میں یہ بھی شرط ہے کہ مشتری جب تک خود جنس وصول نہ کرے۔ یہ سودا کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں کرسکتا۔ جبکہ بیمہ میں ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ بیمہ میں جنس، مقدار،

۱۔

۲۔ بخاری شریف: ج ۱، کتاب السلم، ص ۲۹۹۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

مدت میں دھوکہ ہی دھوکہ پایا جاتا ہے اس لئے وہ ناجائز قرار پاتا ہے۔

ارشادِ نبوی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَلَا یَصْرِفْهُ اِلٰی غَیْرِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّقْبِضَهٗ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیع سلم کرے تو مال پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف یہ سودا منتقل نہ کرے۔(۱)

بذریعہ نیلام اشیاء کی خرید و فروخت بھی ایک اچھی صورت ہے۔ بشرطیکہ بولی دینے والوں کو حکم نہ دیا جائے۔ جیسا کہ بیع نجش میں کیا جاتا ہے کہ کسی بھائی کو نقصان پہنچانے کی خاطر کوئی زیادہ بولی دیتا چلا جائے۔ جبکہ اُس کا بھائی وہ چیز حاصل کرنے کی ضرورت اور خواہش رکھتا ہو۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں کئی بار نیلام فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَاعَ حَلْسًا وَ قَدَحًا فَقَالَ مَنْ یَشْتَرِیْ هٰذَا الْحَلْسَ وَالْقَدَحَ، فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّزِیْدُ عَلٰی دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَیْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ (۲)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ بیچنا چاہا۔ فرمایا: کوئی شخص یہ ٹاٹ اور پیالہ خریدتا ہے۔ ایک شخص نے کہا۔ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایک درہم سے زیادہ دیتا ہے تو کسی نے ان دونوں چیزوں کے دو درہم دیئے تو آپ نے ان کو بیچ دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے۔ ایک دفعہ ایک سائل مسجد نبوی میں آ کر سوال کرنے لگا۔ حضور اکرم نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پاس گھر میں کچھ ہے بھی؟ کہنے لگا ہاں ایک چادر اور ایک رسی۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ جب وہ شخص یہ اشیاء لے آیا تو آپ نے ان کی نیلامی شروع کی۔ آپ یہ چیزیں دکھا کر صحابہ کرام سے پوچھنے لگے۔ ان کا کیا دو گے۔ ایک صحابی نے کہا۔ ''میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''کوئی اور بولے'' پھر ایک اور صحابی

۱۔ ابوداؤد شریف، ج ۲، باب السلف لا تحول: ص ۱۳۵۔

۲۔ جامع الترمذی، ج ۱، باب المبیوع، ص ۱۴۶، مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور۔

اسے دو درہم میں لینے پر آمادہ ہوگئے۔ تو آپ نے وہ اشیاء دو درہم کے عوض اس کو دیدیں۔ اس رقم سے آپ نے سائل کیلئے کلہاڑے کا پھل اور دستہ خریدا۔ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے کلہاڑا سائل کے حوالے کیا اور فرمایا: جنگل سے لکڑیاں لاکر بازار میں فروخت کرو اور سوال کرنے سے پرہیز کرو۔

شراکت:

جہاں سرمایہ اور محنت دونوں میں شرکت ہو اور رقم، مدت اور محنت کے لحاظ سے طے شدہ شرائط کے مطابق دونوں نفع ونقصان میں شریک ہوں، جبکہ بیمہ میں یہ صورتیں نہیں پائی جاتیں۔ اگر رقم، مدت، محنت والی شرائط اور نفع ونقصان میں دونوں کی شراکت ہوتو پھر بیمہ جائز ہے۔ حالانکہ ایسا ہے نہیں۔

اب اس کے متعلق ارشاداتِ نبوی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَه' قَالَ : اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَه' فَاِذَا خَانَه' خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمَا (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ دو شریکوں کا تیسرا میں ہوتا ہوں۔ جب تک کوئی ان میں سے اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے۔ پھر جب کوئی ایک خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

عَنْ صُهَیْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : ثَلٰثٌ فِیْهِنَّ الْبَرْکَۃُ : اَلْبَیْعُ اِلٰی اَجَلٍ وَالْمُقَارِضَةُ وَ اِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِیْرِ لِلْبَیْتِ لَا بَیْعٌ (۲)

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تین چیزوں میں برکت ہے۔ (۱) کاروبار میں مقررہ مدت کا پاس رکھنے میں، (۲) مضاربت میں، (۳) گندم اور جو کی ملاوٹ اپنے گھر کے استعمال کے لئے۔ نہ کہ تجارت کے لئے۔

مضاربت کی شرائط

مضاربت کی شرائط ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ابو داؤد شریف، باب الشرکۃ، ج ۲، ص ۱۲۴۔

۲۔ ابن ماجہ شریف، باب الشرکۃ فی المضاربۃ، ص ۱۶۵۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَ قَالَتُ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْسِمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ اِخْوَانِنَا "اَلنَّخِیْلَ" قَالَ لاَ تَکْفُوْنَنَا الْمؤنَةَ وَ نُشْرِکُکُمْ فِی الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انصار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کھجوروں کے باغ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! آپ لوگ ہم سے محنت لے لیجئے۔ اور ہم آپ کو پھل میں شریک کریں گے۔ انصار نے عرض کیا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔

شراکت میں اگر ایک شریک کچھ کمی بیشی بھی کر جائے تو درگزر سے کام لینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ چل کر معاملہ پھر ٹھیک ہو جائے۔ یا ایسا خیال ہی غلط ثابت ہو۔ آپ نے فرمایا:

وَ عَنْهُ (عن ابی هریرة) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلاَ تَخُنْ مَا خَانَکَ (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تیرے پاس امانت رکھی ہے اس کی امانت ادا کر۔ اور جو کوئی تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر۔

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ بیمہ کی صورتوں میں ترمیم کی جائے اور جواز کی صورتیں طے پائیں تو ٹھیک ہے ورنہ موجودہ جو صورتیں مروجہ ہیں وہ جائز نہیں ہیں۔

بیمہ کا شرعی حل

طالب بیمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس کا سرمایہ محفوظ رہے۔

۲۔ اضافہ مال بذریعہ سود یا تجارت۔

۳۔ حوادث کی صورت میں مالی معاونت، موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں مالی اور جانی دونوں

۱۔ بخاری شریف، ج۱، باب الرحرث والمزارعة، ص۳۱۲۔

۲۔ جامع الترمذی، ج۱، باب ما جاء فی النهی للمسلم الخ، ص۱۵۲۔

قسم کے حوادث سے بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔
۴۔ پسماندگان کی مالی امداد۔ اب ان کا ترتیب وار حل مندرجہ ذیل ہے۔
۱۔۲۔ ان دونوں باتوں کا حل یہی ہے کہ ''غیر سودی بینک'' جاری کئے جائیں جن کی اساس شرکت (۱) اور مضاربت (۲) پر قائم کی جائے۔ اس طرح سرمایہ کی حفاظت بھی ہوگی، اور مال میں بھی جائز طریقوں سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسلام کے معاشی نظام کا جس شخص نے بغور مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام ''ارتکاز دولت'' کا حامی نہیں ہے کہ روپیہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور بدوں تجارت اس سے منافع حاصل کیا جائے۔ روپیہ سے روپیہ حاصل کرنا اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ سرمایہ میں جو لوگ اضافہ چاہتے ہیں، اُن کے لئے تجارت کی شاہراہ کھلی ہوتی ہیں۔ تجارت سے سرمایہ دار کا بھی فائدہ کہ سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور زکوٰۃ دولت کو ختم نہیں کرے گی۔ اور ملک وقوم کا فائدہ ہے کہ تجارت کو فروغ ملے گا۔ سرمایہ تجوریوں سے نکل کر منڈیوں اور بازاروں میں پہنچے گا۔ صنعت و انڈسٹری کی کثرت ہوگی۔ مزدوروں اور ملازمت پیشہ لوگوں کو کام ملے گا۔ واضح رہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام کی بنیاد زکوٰۃ پر رکھتا ہے۔ برخلاف سرمایہ دارانہ نظام کے کہ وہاں سود ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اسلام کے معاشی نظام کو مختصر سے مختصر لفظوں میں اس طرح سمجھایا ہے۔

کی لا یکون دولة بین الاغنیاء (۳)

تاکہ نہ آئے لینے دینے میں صرف دولت مندوں کے تم میں سے۔

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ مصارف اس لئے بتلائے ہیں کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں۔ یہ اموال محض چند دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں، جس سے صرف سرمایہ دار ہی تجوریوں کو بھرتے ہیں۔ اور غریب فاقوں سے مریں۔ غیر سودی

۱۔ سرمایہ اور کام مشترک ہو اس کو شرکت کہتے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔
۲۔ ایک کا سرمایہ دوسرے کا کام یہ مضاربت کہلاتا ہے، تفصیلات: ہدایہ، ج ۳۔
۳۔ سورۃ الحشر، آیت: ۶۔

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابو داود و ترمذی)

بینک کا اجراء کوئی محض تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کو بڑی آسانی سے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔(۱)

یورپ کی ذہنی غلامی نے دماغوں پر عقیدہ یہ مسلط کر دیا ہے کہ سود کے بغیر معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج بھی کچھ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ ان کی معاشی حالت سودی نظام اور بینکنگ کا سارا کاروبار موجود نہیں ہے اور بایں ہمہ وہ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ بلکہ ان کی معاشی حالت سودی ملکوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر کچھ اسلامی حکومتیں ہمت کر کے سود کے اس نظام سے نجات حاصل کر لیں تو بین الاقوامی طور پر بھی اس کا اثر ہو۔ بینک آف انگلینڈ قسم کے بین الاقوامی بینک ان ملکوں کو غیر سودی کاروبار کی سہولتیں مہیا کریں اور لوگوں کا یہ غرر کہ ہم سود کے بغیر بین الممالک تجارت کس طرح کر سکتے ہیں، ختم ہو جائے۔

۳۔ ''دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے۔'' یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا، اور اب تو ایسی حقیقت بن چکا ہے، جس سے انکار ناممکن ہے۔ روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں، جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک ایک بھلا چنگا آدمی ہاتھ پاؤں سے صحیح و سالم تھا، آج اچانک کسی حادثے کی زد میں آ گیا اور اپاہج ہو کر رہ گیا۔ اس اپاہج انسان کے ساتھ اس کا خاندان بھی مصائب و حوادث کا شکار ہے۔ نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا رہا۔ اسی طرح ایک بڑا صنعت کار جو کل تک ایک بڑی انڈسٹری کا مالک تھا، اچانک کارخانہ میں آگ لگ گئی، مشینری اور سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا اور وہ اب نانِ جویں کو بھی محتاج ہے۔ پھر ہر روز بسوں، موٹروں کے حادثے ہماری زندگی کا روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ آخر ان نقصانات کی تلافی کس طرح ہو اور اس کا حل شریعت اسلامی میں کیا ہے؟ اس کا حل یہی ہے کہ امداد باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ارباب خیر اور مال داروں سے عطیات وصول اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں۔ ان اداروں کا کام یہ ہو کہ وہ تحقیق مال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کو مالی امداد کریں۔ اس سلسلہ میں ''عام ادارے'' بھی بنائے جا

۱۔ ماہنامہ المسلمون، جو جنیوا سے زیر ادارت جناب سعید رمضان شائع ہوتا ہے۔ اس میں ڈاکٹر حمید اللہ پیرس، کا غیر ''سودی بینک'' پر ایک مقالہ چھپا ہے۔

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

سکتے ہیں اور "خاص" بھی خاص کی یہ صورت ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں۔ صنعت کار اپنا الگ۔ اسلامی حکومت اگر اس سلسلہ میں جبر کرنا چاہے تو جبر بھی کر سکتی ہے۔ کیونکہ حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رعایا سے جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے۔

فان ارید بها ما یکون بحقٍ ککری النهر المشترک و اجر الحارس والموظف لتجهیز الجیش و فداءِ الاُسارى وغیرها جازت الکفالت بها علی الاتفاق.(۱)

اگر اس سے وہ ٹیکس مراد ہیں جو جائز اور صحیح ہیں اور جیسے مشترک نہر کا کھودنا پولیس کی تنخواہ یا فوج کا انتظام کرنے والوں کی تنخواہ جب سب پر ڈال دی جائے۔ یا قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کے لئے عطیات تو اتفاقاً ان کی کفالت کی جا سکتی ہے۔

ضرر عام۔ ضرر خاص: سے مقدم ہے۔ یہ بھی تو اسلامی قانون کا اصول ہے۔ ان تعاونی اداروں کے علاوہ دوسرا اقدام یہ ہے کہ معاقل کے اسلامی نظام کو پھر سے اسلامی معاشرے میں جاری کیا جائے۔

مالکیہ کے نزدیک دھوکہ کی تعریف:

فقہاء مالکیہ نے دھوکہ کی بہت سی تعریفیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے صرف اہم تعریفات کو بیان کریں گے۔ اور پھر معاملات بیمہ کے ان کے تحت آنے کو ثابت کریں گے۔ ابن عرفہ المالکی نے دھوکہ کی یہ تعریف کی ہے کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں۔ "جہاں دونوں طرف کے معاوضوں میں سے کسی ایک کا حصول غیر یقینی ہو، یا اس معاوضے سے جو مقصد پیش نظر ہے، اس کا حصول مشکوک ہو۔(۲)

امام مالکؒ سے دھوکہ کی یہ تعریف منقول ہے۔ "جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ پورا ہوگا یا نہیں۔" (۳)

شیخ دسوقیؒ نے دھوکہ کی تعریف یوں کی ہے کہ "جس کے حصول اور عدمِ حصول دونوں کا احتمال ہو۔" (۴)

۱۔ ہدایہ، ج ۳، باب الکفالت، مکتبہ شرکت علمیہ، ص ۱۲۵۔

۲۔ مواہب الجلیل، ج ۴، ص ۳۶۲۔ ۳۔ ایضاً ص ۳۶۸۔

۴۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ج ۳، ص ۲۵۔

حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر میں فقہا مالکیہ میں سے مازریؒ دھوکہ کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں۔ ''جس کی سلامتی یا تباہی کے بارے میں تردد ہو'' (۱)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک جس غرر فاحش (کھلم کھلا دھوکہ) سے معاوضہ بالاتفاق باطل ہو جاتا ہے اس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے، جیسے کسی گمشدہ شخص کا قرضہ خرید لینا۔ یا ایسے شخص کا قرض خرید لینا جو ہے تو موجود مگر قرض کا اقرار نہیں کرتا۔ یا جیسے میت کا قرض خریدنا چاہے۔ خریدار کو اس میت کے ترکہ کی تفصیلات معلوم ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ان قرضہ جات کو خریدنے والا خریدتے وقت یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ انہیں وصول بھی کر سکے گا یا نہیں۔ اور بالخصوص اگر وہ انہیں وصول کر بھی لے تب بھی اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کتنا وصول کر سکے گا۔ کیونکہ بعض اوقات اگر وہ زیادہ وصول کر سکے گا تو کبھی کم بھی وصول کرے گا۔ لہٰذا قرض میت خریدنے میں دو طرح کا دھوکہ پایا جاتا ہے۔ ایک تو وصول کے سلسلہ کا دھوکہ اور دوسرا مقدار کا دھوکہ۔ کیونکہ میت کے قرض کا خریدار چاہے میت کے ترکہ کی مقدار کو جانتا ہو۔ پھر بھی اسے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس میں سے وہ خود کتنا وصول کر سکے گا۔ اس لئے کہ اس کا انحصار میت کے قرض خواہوں کی تعداد اور ان کے قرضوں کی مقدار پر ہوتا ہے۔ چونکہ لین دین کے وقت اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسے یہ علم نہیں ہوسکتا کہ قرض خواہوں کو اس کے ترکہ کی تقسیم کے وقت کتنا حصہ ملے گا۔ (۲)

احناف کے نزدیک دھوکہ کی تعریف:

بدائع الصنائع میں دھوکہ کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ ''دھوکہ اس خطرے کو کہتے ہیں، جس میں وجود اور عدم وجود دونوں کے مواقع برابر ہوتے ہیں۔'' (۳)

دھوکہ کی اس تعریف کا کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آنا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کاروبار کا بنیادی جزو، لب لباب اور اصل حقیقت دھوکہ ہی ہے۔ جیسا کہ شارحین قانون خود کہتے ہیں کہ کاروبار بیمہ کے وجود کا تصور اس خطرے کے بغیر ناممکن ہے، اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ خطرہ اس امکانی حادثے ہی کا نام ہے، جس کا جانب وجود اور جانب عدم وجود دونوں برابر ہوتے

۱۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ج ۳، ص ۲۵۔

۲۔ الحطاب، ج ۴، ص ۳۶۸۔ ۳۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۳۰۵۳۔

ہیں۔ لہٰذا احناف ''خطرہ'' کی جو تعریف بیان کرتے ہیں، وہ شارحین قانون کے بیان کردہ بیمہ کی تعریف سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ محسوس ہوتا ہے گویا علامہ کاسانی'' بیمہ کے کاروبار میں پائے جانے والے ''خطرہ'' ہی کی تعریف کر رہے ہیں۔ اگر آپ ان معاوضات کا تجزیہ کریں، جو احناف کے نزدیک دھوکہ کی وجہ سے بالاتفاق باطل ہیں تو آپ ان میں یہ مفہوم لازمی طور پر موجود پائیں گے کہ ان میں ملکیت یا ذمہ داری کو کسی ایسے خطرے کے ساتھ مشروط یا اس پر موقوف ٹھہرایا گیا ہے، جس میں جانب وجود و جانب عدم وجود برابر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے جیسے اس چیز کو خرید لینا جس کا کوئی نشانہ لے رہا ہے یا جیسے پکڑنے کے لئے جال پھینک رہا ہے۔ مثلاً خریدار یہ کہے کہ تیسرے اس مرتبہ جال پھینکنے پر جو کچھ بھی اس کے ذریعے نکلے گا، وہ میں نے تجھ سے اتنی رقم میں خرید لیا ہے یا تیرے اس تیر سے جو پرندہ یا جانور گرے گا، وہ میں نے اتنی رقم میں خرید لیا ہے۔ اسی طرح چھو کر، یا پھینک کر، یا پتھر مار کر خرید و فروخت کرنے کے علاوہ ہر وہ طبقہ جس میں خریدار کے معاوضہ کی ملکیت کو ''خطرہ'' کے ساتھ مشروط ٹھہرایا جائے۔ اس کا یہی حکم ہے۔ کیونکہ اس طرح خرید و فروخت کرنا کہ میرا پتھر جس کپڑے پر جا گرا تو وہ میں نے اتنے روپوں میں تجھے بیچ دیا یا تجھ سے خرید لیا۔(۱)

ان تمام مثالوں میں معاوضہ کی ذمہ داری کو ایک ایسے خطرے سے مشروط یا اس پر اسے موقوف رکھا گیا ہے، جو کبھی تو موجود ہو سکتا ہے اور کبھی نہیں۔ اگر ہم علماء شریعت کے نقطہ نظر سے ہٹ کر شارحین قانون کی طرف رجوع کریں تو وہ بھی اس فرق کے غیر مؤثر ہونے کے مکمل طور پر قائل نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک خطرہ اس حادثہ کو نہیں کہتے جسے بیمہ دار ناپسند کرتا ہے اور جس کے پیش آنے سے اُسے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ عام استعمال میں خطرہ کے یہی معنی معروف و مشہور ہیں۔ لیکن کاروبار بیمہ کی خاص اصطلاح میں یہ اس معنی سے وسیع تر معانی و مفاہیم کا حامل ہے۔ اس میں شارحین قانون کے نزدیک بالاتفاق وہ خوشگوار حادثہ بھی شامل ہوتا ہے، جس کے پیش آنے کو بیمہ دار پسند کرتا ہے اور اس کے پیش آنے سے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ حادثہ خود بیمہ دار یا اس کے ورثاء کے لئے دولتمندی کا ذریعہ بن جاتا ہے، جیسا کہ زندگی کا بیمہ بشرط بقاء اور اولاد کے لئے یا شادی بیاہ کا بیمہ ہوتا ہے۔

۱۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۴، ص ۱۰۹۔

شوافع کے نزدیک دھوکہ کی تعریف:

شوافع نے اس دھوکہ کی جو ان کے نزدیک معاہدات کو باطل کر دیتا ہے، کئی تعریفات بیان کی ہیں، جو سب کے سب کاروبار بیمہ پر صادق آتی ہے۔ ان میں سے بعض تعریفات اور ان کے اس کاروبار پر صادق آنے کی وجوہ کو پیش کرتے ہیں۔

ابوجیز کی شرح ''فتح العزیز'' میں دھوکہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ''جس میں دونوں جانب کا احتمال ہو اور جانب غالب کا وقوع زیادہ خطرناک ہو۔'' (۱)

اور یہ کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں ''جس کا نتیجہ انسان سے پوشیدہ ہو۔'' اس میں مزید لکھا ہے کہ معاوضہ دھوکہ (سے اس نے جو کچھ) اس وقت تک پاک نہیں ہوتا، جب تک کہ لین دین کرنے والا اس میں یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے، اس کے بدلے میں وہ کس چیز کا مالک بنا ہے۔ (۲)

فتح الباری میں دھوکہ کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ ''ہر وہ چیز جس کا امکان وجود اور عدمِ وجود برابر ہو، اور اسی طرح جو عام طور پر معاوضہ بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔'' (۳)

شرح المنہاج کے حاشیہ قلیوبی وعمیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں۔ ''جس میں معاوضہ کے حصول کا یقین نہ ہو۔'' ان تمام تعریفات کا کاروبار بیمہ پر صادق آنا بالکل واضح ہے۔ مثلاً دھوکہ کی یہ تعریف کہ جس کے دونوں جانب کا احتمال ہو اور ان میں سے جانب غالب کا وقوع زیادہ خطرناک ہو۔ کاروبار پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس کاروبار میں بھی دونوں جانب کا احتمال ہوتا ہے۔ اس میں ایک جانب حصولِ معاوضہ کی ہے اور دوسری جانب اس کے عدمِ حصول کی ہے۔ پس اگر حادثے سے تحفظ دیا گیا ہے، وہ پیش آ گیا تو بیمہ دار کو معاوضہ مل جائے گا، جو کہ بیمہ کی وہ رقم ہے، جس کے لئے اس نے بیمہ کی قسطیں ادا کی ہیں۔ اور اگر یہ حادثہ پیش نہیں آیا تو وہ معاوضہ سے محروم رہے گا جبکہ بیمہ دار معاہدہ کرتے وقت نہیں جانتا کہ کونسی جانب واقع ہوگی۔ اگرچہ اس کا بیمہ کی رقم کو حاصل نہ کر سکنے کی جانب قوی اور غالب ہے۔ اس لئے کہ

۱۔ فتح العزیز، شرح ابوجیز، ج ۸، ص ۱۲۸۔

۲۔ فتح العزیز، شرح ابوجیز شرح المہذب کے مجموعہ کے ساتھ طبع شدہ، ج ۸، ص ۱۲۷۔

۳۔ شرح منتہی الارادات، ج ۲، ص ۱۴۵۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

عام طور پر بیمہ انہی خطرات کے مقابل کیا جاتا ہے۔ جن کے نہ پیش آنے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بیمہ دار کی نسبت سے اس کا عدم وقوع (نہ پیش) دونوں امکانات میں سے سب سے زیادہ نقصان دہ امکان ہے۔ کیونکہ اس طرح بعض اقسام بیمہ، میں جیسے زندگی کے بیمہ کی صورت میں جب بیمہ دار زندہ رہے، وہ بیمہ کی رقم سے یکسر محروم رہ جاتا ہے۔ وغیرہ

حنابلہ کے نزدیک دھوکہ کی تعریف:

شرح منتہی الارادات میں لکھا ہے کہ قاضیؒ اور علماء کی ایک جماعت نے دھوکہ کی تعریف یوں کی ہے کہ: ''جس کی دونوں صورتیں مشکوک ہوں اور کوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں واضح نہ ہو۔'' (۱)

کاروبار بیمہ کا اس تعریف کے تحت آنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، کیونکہ بیمہ کی وہ رقم جس کے لئے بیمہ دار نے قسطیں ادا کی ہیں۔ دو مشتبہ حالتوں کے درمیان معلق ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر حادثہ پیش آیا تو وہ بیمہ کی رقم حاصل کر لے گا اور دوسری صورت میں اگر حادثہ پیش نہ آیا تو یہ بیمہ کی رقم حاصل نہیں کر سکے گا۔ علاوہ ازیں رقم بیمہ کے حصول کی صورت میں زیادہ واضح بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا انحصار اس حادثے کے پیش آنے پر ہے۔ جس سے تحفظ دیا گیا ہے اور اس حادثے کا پیش آنا اس کے نہ پیش آنے کے مقابلے میں زیادہ واضح نہیں ہے۔

کاروباری بیمہ میں موجود دھوکہ کی اقسام:

دھوکہ کی تعریفات اور اس کی مثالیں بیان کرنے کے بعد کہ جن پر مجتہدین کا اتفاق ہے کہ دھوکہ ان پر اثر انداز ہو کر انہیں باطل کر دیتا ہے۔ اب ہمارے لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جن اقسامِ دھوکہ پر بیمہ مشتمل ہوتا ہے اور مجتہدین کے نزدیک بالاتفاق معاوضہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ہم فقہ مالکی پر اپنی تحقیق مرکوز رکھیں گے۔ کیونکہ علماء شریعت میں سے جواز بیمہ کے قائل اکثر حضرات امام مالک کی فقہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فقہ میں لاعلمی اور دھوکہ کی بناء پر معاملات کے باطل ہونے کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔

امام القرافی المالکی کہتے ہیں کہ دھوکہ اور لاعلمی سات اشیاء میں ہوسکتا ہے اور پھر وہ ان

۱۔ فتح الباری، ج ۵، ص ۲۶۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

میں سے ''خود کسی چیز کے وجود میں دھوکہ کا ہونا جیسے گھوڑا ہے یا جس کے حصول میں دھوکہ ہو جیسے ہوا میں اڑتا ہوا (آزاد) پرندہ، یا مقدار میں دھوکہ ہو۔ جیسے پتھر پھینکنے کی جگہ تک کو فروخت کرنے کی صورت میں یا مدت میں دھوکہ ہونے کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔(۱)

وہ معاوضات جن میں وجود یا حصول کے سلسلہ کا دھوکہ پایا جاتا ہے، ان کے باطل ہونے کے سلسلہ میں امام نوویؒ فقہاء کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''فقہاء کا رحم مادر میں موجود جنین اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی خرید و فروخت کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔(۲)

معاوضہ کی مقدار میں دھوکہ:

فقہاء مالکیہ نے بھی اپنی کتابوں میں متعدد جگہ اس کی صراحت کی ہے، جیسا کہ قبل گزر چکا ہے کہ امام القرافی المالکی واضح طور پر لکھتے ہیں کہ مقدار کا دھوکہ جو معاوضہ میں پایا جاتا ہو، اس خرید فروخت کی طرح ہے، جس میں پتھر پھینک کر اس کے گرنے تک کی جگہ کو فروخت کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں فقہاء نے صراحتاً کہا ہے کہ یہ کاروبار میں اثر انداز ہوتا ہے۔(۳)

علامہ ابن قدامت ''المغنی'' میں لکھتے ہیں ''چھو کر اور پھینک کر خرید و فروخت کرنا دو اسباب کی بناء پر باطل ہے۔ ان میں سے ایک لاعلمی اور دوسرا اس کا مشروط ہونا ہے اور کنکر مار کر لین دین کرنا بھی باطل ہے۔ کیونکہ اس میں دھوکہ اور لاعلمی دونوں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح رحم مادر میں موجود حمل فروخت کرنا فاسد ہے۔ کیونکہ وہ بھی مجہول شیء ہے۔ اس لئے کہ اس کی زندگی اور خصوصیات کے بارے میں پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کو خریدار کے سپرد کر دینے پر بھی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔'' (۴)

فقہاء نے معاوضہ کے بارے میں معلوم ہونے کی جو شرط عائد کی ہے، اس میں انہوں نے متعین معاوضہ اور اس معاوضہ کے مابین جو کہ کسی کے ذمے ثابت ہوتا ہو کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے۔

فتح العزیز میں لکھا ہے۔ ''رہی مقدار کے بارے میں لاعلمی، تو وہ اس معاوضہ میں جو کسی کے ذمے ہو، چاہئے وہ قیمت ہو یا وہ چیز ہو جس کی قیمت ادا کی گئی ہے، اسے باطل قرار دیتی ہے۔(۵)

۱۔ الفروق للقرافی، ج ۳، ص ۲۶۵۔ ۲۔ شرح النوویؒ علی مسلم، ج ۱۰، ص ۱۵۶۔
۳۔ الفروق للقرافی، ج ۳، ص ۲۶۵۔ ۴۔ المغنی لابن قدامت، ج ۴، ص ۱۸۶۔
۵۔ فتح العزیز، ج ۸، ص ۱۳۹۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

اور اسی کتاب میں مذکور ہے کہ ''دونوں طرف کے معاوضوں میں سے جو بھی کسی کے ذمہ ہو تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا ہر حالت میں ضروری ہے۔'' (۱)

''عوض کی مقدار کا علم اس وقت بہت ضروری ہے، جب وہ کسی کے ذمہ بنتا ہو۔'' (۲)

الحطاب میں تحریر ہے کہ ''لین دین کرنیوالے دونوں فریقوں کی طرف سے یا کسی ایک طرف سے اگر کسی ایک معاوضہ کے بارے میں لاعلمی پائی جاتی ہو تو وہ لین دین فاسد ہو جاتا ہے۔'' (۳)

بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ ''کوئی چیز اس وقت تک دھوکہ سے پاک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو۔'' (۴)

اور امام مالک ''المدونۃ'' میں فرماتے ہیں کہ ''کسی سامان کو اس جیسے سامان کی قیمت پر فروخت کرنا یا خریدار پر اس کی قیمت کا فیصلہ چھوڑ دینا یا بیچنے والے کے فیصلے پر اس کی قیمت کو موقوف کر کے بیچنا یا خریدنے والے یا بیچنے والے کی مرضی پر قیمت کو چھوڑ کر بیچنا یا کسی تیسرے شخص کے فیصلے یا مرضی پر اس سامان کی قیمت کو موقوف کر کے فروخت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ دھوکہ ہے۔'' (۵)

مزید اسی کتاب میں امام مالکؒ کہتے ہیں۔ ''جس نے اس شرط پر کوئی گھر خرید لیا کہ وہ فروخت کرنے والے کی زندگی بھر کا خرچہ برداشت کرے گا۔ تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کی زندگی کی مدت مجہول ہے اور یہ چیز دھوکہ ہے۔ (۶)

الفتاوی الہندیۃ میں لکھا ہے ''مال کے بدلے مال کی خرید و فروخت، اجارہ، تقسیم مال کی صورت میں اگر تبادلے میں حاصل ہونے والا مال نامعلوم ہو تو یہ لین دین باطل ہے اور مال کی صلح کی صورت میں اگر مال کے بدلے مال والا لین دین ہو۔'' (۷)

الفروع میں لکھا ہے۔ خرید و فروخت کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ''قیمت معلوم ہو، لہٰذا نامعلوم قیمت کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس شرط پر

۱۔ فتح العزیز، ج ۸، ص ۱۴۵۔ ۲۔ فتح العزیز، ج ۸، ص ۱۴۳۔

۳۔ الحطاب، ج ۴، ص ۲۷۶۔ ۴۔ بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۱۷۲۔

۵۔ الحطاب نے مواہب الجلیل میں نقل کیا ہے: ج ۴، ص ۳۶۲۔

۶۔ ایضاً۔ ۷۔ الفتاوی الہندیۃ، ج ۴، ص ۴۲۵۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

خرید و فروخت کرنا کہ جو بھی اس کی قیمت آئندہ مقرر ہوگی یا لوگ جس قیمت پر اسے فروخت کریں گے، وہی اس کی قیمت قرار پائے گی تو یہ بھی ناجائز ہے۔" (۱)

منتہی الارادات میں لکھا ہے کہ "لین دین کرتے وقت معاوضہ کا معلوم ہونا اس کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ چاہے یہ معاوضہ خرید و فروخت کی صورت میں قیمت ہو یا اجارہ کی صورت میں اجرت کی شکل میں ہو۔ اسی وجہ سے کسی سامان کو اس قیمت پر فروخت کرنا، جس پر لوگ اسے فروخت کرتے ہیں یا جس پر زید نے اسے فروخت کیا اور یہ دونوں "خریدار اور فروخت کنندہ" اس قیمت سے لاعلم ہوں تو اس طرح کے کاروبار کے بھی باطل ہونے کی روایت نقل کی گئی ہے۔ (۲)

بدائع الصنائع میں تحریر ہے کہ "اگر کسی نے یہ کہا کہ میں نے اس غلام کو اس کی قیمت پر فروخت کر دیا ہے تو یہ خرید و فروخت فاسد ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کے نرخ کو ہی اس کی قیمت بنا دیا ہے، جو کہ مختلف خریداروں کے نزدیک مختلف ہوتی ہے اور اس کی قیمت نامعلوم رہی اور اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص کے فیصلے پر فروخت کر دیا کیونکہ اس صورت میں بھی قیمت نامعلوم ہے۔" (۳)

حاشیہ ابن عابدین میں لکھا ہے۔ "قیمت کی مقدار کا جاننا خرید و فروخت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا اگر قیمت مجہول ہو، جیسے اس کی قیمت پر اسے فروخت کرنا اور اس کے اصل زر سے فروخت کرنا یا جس قیمت پر اس نے خریدا ہے یا کسی اور نے خریدا ہے یا جس قیمت پر لوگ اسے بیچتے ہیں تو ان تمام صورتوں میں یہ لین دین باطل ہے۔" (۴)

مدت میں دھوکہ:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ معاوضہ والے معاملات میں اگر مدت معلوم نہ ہو تو یہ کاروبار باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کاروبار معاوضہ میں ایک طرف کا معاوضہ ادھار ہو تو اس کی مدت ادائیگی کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر وہ مدت نامعلوم ہوئی تو یہ کاروبار باطل ہو جاتا ہے۔

امام القرافی المالکی اپنی کتاب الفروق میں کہتے ہیں کہ میعاد میں دھوکہ اور اس کے

۱۔ الفروع، ج ۴، ص ۳۵۔ ۲۔ منتہی الارادات، ج ۱، ص ۳۴۵۔

۳۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۳۵۴۱۔ ۴۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۴، ص ۲۱۔

بارے میں لاعلمی معاوضہ والے معاملات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔(۱)

ابن رشید لکھتے ہیں: ''اگر ادھار کا لین دین ہو تو اس میں سے دھوکہ اُسی صورت میں ختم ہوتا ہے، جب اس کی ادائیگی مدت معلوم ہو۔''(۲)

بدائع الصنائع میں تحریر ہے: ''لین دین کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ''اگر لین دین میعاد والی ہے تو اس میں اس میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور اگر اس کی میعاد معلوم نہ ہو تو لین دین فاسد ہو جاتا ہے۔ چاہے یہ لاعلمی شدید ترین نوعیت کی ہو، جیسے فلاں شخص کے مرنے پر یا بارش ہونے پر (ادائیگی کی میعاد کو مقرر کرنا) یا یہ لاعلمی معمولی نوعیت کی ہو، جیسے کھیت کٹنے یا حاجیوں کے لوٹنے پر اس کی میعاد رکھنا۔(۳)

فتح الباری میں لکھا ہے کہ حمل کے حمل کی خرید وفروخت کی (مخالفت) ممانعت اور اس کے باطل ہونے کی علت اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں اس کی میعاد غیر متعین ہوتی ہے اور حمل کے حمل سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی بچہ دے اور پھر یہ بچہ خود حاملہ ہو کر بچہ جنے۔

کاروبار میں پائے جانے والے قابل معافی دھوکہ کی تعریف:

شیخ الدردیر معاملات میں قابل درگزر دھوکہ کی تعریف اور اس کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ضرورت کی بناء پر معمولی دھوکہ قابل درگزر ہے۔ بشرطیکہ وہ دھوکہ غیر مقصود ہو، معلوم ہوا کہ معمولی ہونے کی شرط کی وجہ سے اس سے زیادہ اور بڑا دھوکہ خارج ہو جاتا ہے۔ جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندہ اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کو فروخت کرنا۔ لہٰذا اس کے قابل معافی ہونے پر اجماع ہے اور غیر مقصود ہونے کی شرط سے حیوان کو حاملہ ہونے کی شرط پر فروخت کرنا اس معمولی نوعیت کے دھوکہ کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ کیونکہ حاملہ حیوان کے حمل کا خریدنا عام طور پر مقصود ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ دھوکہ ہے کیونکہ حمل کے حصول اور عدم حصول دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور پھر اگر اس کا حصول ممکن بھی ہو جائے تو خود اس حمل کی ماں کی سلامتی مشکوک ہوتی ہے۔(۴)

مواجب الجلیل: میں الحطاب کہتے ہیں: ''معمولی نوعیت کا دھوکہ جو غیر مقصود ہو، اور

۱۔ الفروق للسقرانی المالکی، ج ۳، ص ۲۶۵۔ ۲۔ بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۱۷۲۔

۳۔ بدائع الصنائع ج ۷، ص ۳۵۹۳۔ ۴۔ الشرح الکبیر، ج ۳، ص ۵۳۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

ضرورت کی بناء پر ہو قابل معافی ہے۔"

ابن عرفہ کہتے ہیں: المازری نے معمولی دھوکہ کا اصل مقصود نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کے علاوہ چارۂ کار بھی نہ ہو۔ یعنی وہ ناگزیر ہو۔ اس کی وضاحت ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "رحم مادر میں موجود جنین کی فروخت سے ممانعت اور اس جبہ کی خرید و فروخت کا جواز جس کے استر کی مقدار معلوم نہ ہو، باوجود یہ کہ اس استر کا الگ الگ فروخت کرنا ممنوع ہو۔ اسی طرح ایک مہینہ کے لئے کرایہ پر دینے کا جواز جبکہ اس کے ایام میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے۔ حمام میں داخل ہونے کا جواز باوجود یہ کہ لوگوں کی عادتیں پانی کم یا زیادہ خرچ کرنے اور حمام میں تھوڑی دیر یا زیادہ دیر رہنے کے سلسلہ میں مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح پانی پلانے والے سے پینے کے لئے پانی خریدنے کا جواز ان تمام صورتوں کے جواز پر فقہاء کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ جو دھوکہ معمولی نوعیت کا ہو، غیر مقصود ہو اور ناگزیر ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔(۱)

جوا کھیلنے اور شرط باندھنے کی خصوصیت:

شارحین قانون کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جوئے اور شرط لگانے کی خصوصیات بعینہ بیمہ کے کاروبار کی خصوصیات ہیں۔ وہ یوں کہ یہ سب کے سب ایسے معاہدے ہیں جو دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہوتی ہے، یہ مالی معاہدے معاوضہ والے معاملات ہیں۔ یہ احتمال اور امکانی معاہدے ہیں۔ جی ہاں ان تمام باتوں میں ہم ان سے پوری طرح متفق ہیں۔ رہی یہ بات کہ جوا اور شرط لگانے کے معاہدے دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لئے کہ جوا کھیلنے یا شرط باندھنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے کسی مقررہ حادثہ کے پیش آنے پر ایسے مال کی ادائیگی کا ذمہ اپنے سر لیتا ہے، جس پر ان کا باہم اتفاق ہوا ہو، اور وہ مقررہ حادثہ جوئے اور شرط باندھنے میں ہار جانے کی شکل میں پیش آتا ہے۔(۲)

اور یہ بات کہ یہ امکانی معاہدات ہیں یا دھوکے والے معاملات میں سے ہیں تو اس لئے کہ جوئے اور شرط باندھنے میں سے ہر ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ معاہدہ کی تکمیل کے وقت اس مقدار کا تعین کر سکے، جو اسے

۱۔ الحطاب فی مواہب الجلیل، ج۴، ص ۳۶۵۔ ۲۔ الوسیط، ج۷، ص ۹۸۸۔

لینا ہے یا اس مقدار کا اندازہ لگا سکے، جو اسے ادا کرنا ہے کیونکہ اس کا تعین تو مستقبل ہی میں ہو سکتا ہے جو کہ منحصر ہے ایک غیر یقینی واقعہ کے پیش آنے پر، اور وہ واقعہ ہے جوئے یا شرط باندھنے میں جیت جانا کہ جس کے ذریعے حاصل ہونے والے مال کی مقدار کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یا ہار جانا ہے کہ اس کے ذریعے ادا کردہ مال کی مقدار کا پتہ چل جاتا ہے۔(۱)

اور یہ بات کہ جوا اور شرط لگانا معاوضہ والے کاروبار میں سے ہیں تو یوں کہ جوا کھیلنے والوں یا شرط باندھنے والوں میں سے ہر ایک جب کچھ حاصل کرتا ہے تو اس خطرے کے عوض جو خسارے کی صورت میں اسے درپیش ہے اور اگر کچھ ہارتا ہے تو اس امکان کے عوض کہ اسے کچھ حاصل ہوگا لہٰذا جیتنے اور ہارنے کے سلسلہ میں پایا جانے والا یہ احتمال ہی وہ بنیاد ہے جس پر یہ کاروبار استوار ہے۔(۲)

رائج الوقت قوانین بیمہ کا جائزہ

بیمہ ایکٹ ۱۹۳۸ء: "The Insurance Act 1938"

اس ایکٹ میں بیمہ کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے قیام، رجسٹریشن، نظم ونسق، حسابات کی جانچ پڑتال اور مختلف کمپنیوں کے باہمی ادغام کے بارے میں قواعد وضع کئے گئے ہیں۔ یہ سب امور زیادہ تر انتظامی نوعیت کے ہیں، اور ان کا مقصد بیمہ کرانے والوں کے مفادات کا تحفظ ہے۔ بیمہ کی شرعی حیثیت کے پیش نظر بیمہ کا نجی کاروبار احکام شریعت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لئے جانے کے بعد بھی بیمہ کی روح وہی رہی ہے، جب تک حکومت بیمہ کو تعاون و تکافل کی رفاہی حکمت عملی سے ہم آہنگی نہیں کرتی، شریعت کی نظر میں اسے عدمِ جواز کی حیثیت حاصل رہے گی۔ بیمہ کی اس حیثیت سے قطع نظر حسب ذیل امور قابل ترمیم ہیں۔

۱۔ دفعہ ۲۷ (۲)

۲۔ دفعہ ۲۹ (۸)

۳۔ دفعہ ۲۷ (بی)

۱۔ الوسیط، ج ۷، ص ۹۸۸۔ ۲۔ الوسیط، ج ۷، ص ۹۸۸۔

دفعہ ۴۹: ان دفعات میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سودی لین دین شامل ہے۔ اس لئے ان میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ سود کا عنصر خارج ہو جائے۔

دفعہ ۱۰۷: اس دفعہ میں یہ قاعدہ وضع کیا گیا ہے کہ اس ایکٹ کے تحت بیمہ کمپنی یا اس کے کسی ڈائریکٹر، منیجر یا افسر کیخلاف کوئی مقدمہ دائر کرنے سے پہلے ایڈووکیٹ جنرل کی اجازت لینا ضروری ہے۔ ایسی اجازت حصولِ انصاف کے راستے میں رکاوٹ ہے اور تقاضائے عدل کے اسلامی اصولوں کے تحت کسی عام شخص یا ملازم کو کوئی امتیازی تحفظ نہیں دیا جا سکتا۔ دعویٰ دائر کرنے سے پہلے دو ماہ کا نوٹس بھیج دینا ہی کافی ہونا چاہئے۔ اس نوٹس کا مقصد یہ ہے کہ حکومت متضرر فریق کا حق ادا کرے۔

۲۔ جنگی زخموں (بیمہ معاوضہ) کا ایکٹ ۱۹۴۳ء

The War Injuried Compensation Insurance Act, 1943

اس ایکٹ کے تحت فیکٹریوں اور دیگر کارگاہوں پر کام کرنے والے کارکنوں کو پہنچنے والے زخموں کا بیمہ کرانے کا قواعد درج ہیں۔

اس ایکٹ کی رو سے کارکنوں کے آجروں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ حکومت کے پاس ایک خاص عرصے کے لئے فیکٹریوں میں کام کرنے والے کارکنوں کا بیمہ کرائیں اور اس کے لئے مقررہ پریمیم (اقساط بیمہ) ادا کریں۔ اس کے بعد جب کوئی کارکن جنگی اقدامات کے نتیجہ میں زخمی ہو جائے یا مر جائے تو حکومت اس کا معاوضہ ادا کرے گی۔ یہ ایکٹ اپنی رو سے کاروباری نہیں بلکہ رفاہی ہے اور کارکنوں کو زخموں کے معاوضے میں جو کچھ ملتا ہے، اس کی حیثیت تبرع کی ہے۔ کونسل کی رائے میں اس ایکٹ میں کوئی امر خلاف شریعت نہیں۔

۳۔ ہنگاموں کے نقصانات کا بیمہ آرڈی نینس ۱۹۴۷ء

The Riots and Civil Commation Risks Insurance Ordinance 1947

اس ایکٹ میں ایسے نقصانات کا بیمہ کرانے کا حکم دیا گیا ہے، جو کسی ہنگامے، فساد، ہڑتال اور بدامنی کے دوران واقع ہوں، البتہ اس میں جنگی نقصانات اور دشمن کی کارروائی کے نتیجے

میں نقصانات شامل نہیں اس مقصد کیلئے سوتی کارخانوں کا بیمہ کرایا جاتا ہے۔ بیمہ کے مقصد کے لئے مرکزی حکومت ایک فنڈ قائم کرے گی، جس میں اقساط بیمہ جمع ہوں گی اور اسی فنڈ میں سے نقصان کی تلافی کی جائے گی: ''دفعہ''

اس فنڈ کی رقم کو کاروباری مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس آرڈی نینس کے تحت بیمہ کا کاروبار خود حکومت چلائے گی اور اپنی روح کے اعتبار سے اس کی حیثیت رفاعی ہے۔ کونسل کے نزدیک اس آرڈی نینس میں کوئی امر خلاف شریعت نہیں۔

۴۔ پاکستان انشورنس کارپوریشن ایکٹ ۱۹۵۲ء

The Pakistan Insurance Corporation Act, 1952

اس ایکٹ کے ذریعے بیمہ کے کاروبار کے لئے کارپوریشن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، جس میں حصص کی اکثریت خود حکومت نے خریدی۔ یہ کارپوریشن ہر قسم کے بیمہ کا کاروبار (ماسوائے زندگی بیمہ) انجام دیتی ہے اور اس کے نظم ونسق کیلئے اس ایکٹ میں متصل قواعد وضع کئے گئے ہیں۔

بیمہ کی شرعی حیثیت پر بحث کے پیش نظر بیمہ کا کاروبار تحت کارپوریشن ہذا احکامِ شریعت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جب تک حکومت بیمہ کے عمل کو رفاعی حیثیت نہیں دیتی، شریعت کی نظر میں یہ ناجائز رہے گا۔ رفاعی حیثیت دینے کیلئے اس کارپوریشن میں مناسب اور ضروری ترامیم کی جاسکتی ہیں۔

دفعہ ۲۰:

اسے میں کارپوریشن کو رقم قرض لینے اور اس پر سود ادا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، جو واضح طور پر شریعت سے متصادم ہے اس میں اس طرح ترمیم کی جانی چاہئے کہ کارپوریشن صرف مضاربتی بنیادوں پر قرض لے سکے۔

۵۔ سوشل انشورنس برائے ملازمین آرڈی نینس ۱۹۶۲ء

The Employees Social Insurance Ordinance 1962

اس آرڈی نینس کے تحت حکومت نے ایک تنظیم قائم کی ہے، جو کسی صنعتی یا تجارتی ادارے کے ملازمین کا بیمہ کرتی ہے، یہ بیمہ گروپ انشورنس کی ایک اسکیم کے تحت کیا جاتا ہے، جس

میں ہر ملازم کی طرف سے ماہوار قسط بیمہ ادا کی جاتی ہے۔ قسط کی رقم کا ایک تہائی ملازم کی طرف سے اور دو تہائی اس کے آجر کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ رقوم اس سرکاری تنظیم کے مقرر کردہ فنڈ میں جمع ہوتی رہتی ہے، کسی ملازم کی بیماری، معذوری یا موت کی صورت میں یا کسی ملازم کے زخمی ہو کر کچھ عرصہ بیکار رہنے کی صورت میں یا کسی خاتون ملازم کی زچگی کی صورت میں اس فنڈ میں سے مقررہ رقم متعلقہ ملازم کے لئے یا اس کے زیر کفالت افراد کو (جیسی بھی صورت ہو) ادا کی جاتی ہے۔ بیمہ کی یہ اسکیم حکومت کی طرف سے تکافلی، رفاہی بنیادوں پر چلائی جاتی ہے اور اس میں تجارت کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوتا۔ کونسل کی نظر میں یہ اسکیم خلاف شریعت نہیں البتہ اس آرڈی نینس کی دفعہ ۳۱ کے تحت کاروبار میں سرمایہ لگانے اور قرض لینے میں سودی لین دین سے اجتناب کرنے کی ہدایت شامل کی جانی چاہئے۔

۶۔ جنگی خطرات کا بیمہ آرڈی نینس ۱۹۶۵ء

The War Risks Insurance Ordinance 1965

اس آرڈی نینس میں جنگ کے دوران حربی اقدامات کے نتیجے میں واقع ہونے والے نقصانات کی تلافی کے لئے بیمہ کی بعض اسکیموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان اسکیموں میں اموال، فیکٹریوں، جہازوں اور عمارات کے بیمہ کی اسکیمیں شامل ہیں۔ اس آرڈی نینس کے تحت ایک مقررہ تاریخ کے بعد تمام اموال، فیکٹریوں، جہازوں اور عمارات کا بیمہ کرانا ضروری ہوگا۔ ان اشیاء کے مالکان حکومت کو ایک مقررہ پریمیم ادا کر کے ایک مقررہ مالیت کا بیمہ کرائیں گے۔ اس کے بعد حربی اقدامات کے نتیجہ میں ان اشیاء کو کوئی نقصان پہنچے تو حکومت اس نقصان کی تلافی کرے گی۔

یہ آرڈی نینس نہ صرف لازمی ہے بلکہ ہنگامی اور رفاہی نوعیت کا ہے۔ اس کے تحت حکومت ہی بیمہ کا کام انجام دیتی ہے اور اس کا کوئی پہلو کاروباری نہیں۔ لہٰذا شریعت کی نظر میں اسے مباح تصور کیا جا سکتا ہے۔ کونسل کی رائے میں اگر حکومت اس آرڈی نینس کے مقاصد کو اس طرح حاصل کرے۔ جس طرح بیمہ کی عمومی بحث میں تجویز کیا گیا ہے تو اس سے مزید مصالح کے حصول کی صورت نکل سکتی ہے۔

نوٹ: ۱۷ فروری ۱۹۶۹ء کو ہنگامی حالات ختم ہونے پر یہ آرڈی نینس غیر مؤثر ہو گیا۔ لیکن جنگی

خطرات کے بیمہ کا تسلسلی ایکٹ ۱۹۶۹ء کی دفعہ ۲۰ کی رو سے اس (ایکٹ ۱۹۶۵ء) کی دفعات ۶ تا ۱۳، ۱۵ تا ۱۷، ۲۰ اور ۲۷ متعلق بیہ انشورنس فنڈ بدستور نفاذ پذیر ہیں۔

۷۔ بہبود فنڈ برائے مرکزی ملازمین گروپ انشورنس ایکٹ ۱۹۶۹ء

The Federal Employees Benevolent and Group Insurance Act, 1969

اس ایکٹ کے تحت مرکزی سرکاری ملازمین کی بہبودی کے لئے ایک فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ جس میں ہر ملازم معمولی رقم کی باقاعدہ ماہانہ اقساط اس فنڈ میں ادا کرتا ہے اور جب کوئی ملازم جسمانی طور پر معذور ہونے کی بناء پر ملازمت سے الگ کر دیا جائے۔ یا دورانِ ملازمت فوت ہو جائے تو اسے یا اس کے زیر کفالت افراد کو ایک مخصوص رقم ادا کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس ایکٹ کے تحت ایک انشورنس فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ جس میں ملازمین اقساط بیمہ جمع کرتے ہیں۔ اور اس فنڈ سے ان ملازمین کا اجتماعی بیمہ کہا جاتا ہے۔ جس کی رو سے کوئی ملازم فوت ہو جائے۔ تو اسکے نامزد کردہ شخص کو ایک مقررہ رقم ادا کی جاتی ہے۔ یہ بیمہ کسی بیمہ کمپنی کے ذریعے کرایا جاتا ہے۔ دفعہ ۱۶۔

کونسل کی رائے میں اس ایکٹ کے تحت بہبودی فنڈ کی اسکیم فی نفسہ خلاف شریعت نہیں لیکن بیمہ کی اسکیم خلاف شریعت ہے۔ کیونکہ اس میں تجارتی بنیادوں پر قائم ہونے والی بیمہ کمپنی کام کرتی ہے۔ جس سے وہ تمام مفاسد پیدا ہوتے ہیں، جن کا ذکر (بیمہ پر عمومی بحث میں کیا گیا ہے اور جن کی وجہ سے بیمہ کا کاروبار خلاف شریعت قرار پاتا ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے بیمہ کا کام بھی بہبود فنڈ کی طرح حکومت کو خود ہی انجام دینا چاہئے۔

۸۔ جنگی خطرات کا بیمہ آرڈی نینس ۱۹۷۱ء

The War Risks Insurance Ordinance 1971

یہ آرڈی نینس اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اسی نام کے آرڈی نینس ۱۹۶۵ء کے متماثل ہے۔ لہٰذا کونسل اپنی اسی رائے سے سفارش کا اعادہ کرتی ہے، جو آرڈی نینس ۱۹۶۵ء کے بارے میں پیش کر چکی ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

۹۔ بیمۂ زندگی کے قومیانے کا حکم ۱۹۷۲ء

The Life Insurance Nationalisation Order, 1972

اس حکم کے ذریعے پاکستان میں تشکیل شدہ ان بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا جو بیمۂ زندگی کا کاروبار کرتی تھیں ان بیمہ کمپنیوں کو ایک کارپوریشن میں ضم کر دیا گیا ہے۔ لیکن کاروبار بیمہ کی حیثیت بدستور تجارتی بنیادوں پر قائم رہی، اور اس کے عمل اور طریق کار میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ اس سے بیمہ کے کاروبار میں یکسانیت اور مرکزیت تو پیدا ہوئی، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے اصلاحِ حال کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، اور بیمہ کا عمل بدستور خلافِ شریعت صورت میں جاری رہا۔

۱۰۔ بڑھاپے میں امداد برائے ملازمین ایکٹ ۱۹۷۶ء

The Employees Oldage Benefits Act, 1976

اس ایکٹ کے تحت مرکزی حکومت ایک فنڈ قائم کرتی ہے۔ جس کے ذریعے لازمی بنیادوں پر صنعتی وتجارتی اداروں کے ملازمین کا بیمہ کیا جاتا ہے۔ اقساط بیمہ ان ملازمین کے آجرین ادا کرتے ہیں اور ایک خاص عمر تک پہنچنے پر ان ملازمین کو ماہانہ مقررہ رقوم ادا کی جاتی ہے۔ کونسل کی رائے میں اس ایکٹ میں بیمہ کا عمل خلافِ شریعت نہیں۔ البتہ اس فنڈ کی رقم کاروبار میں لگانے اور قرض حاصل کرنے کے سلسلے میں اس امر کی واضح ہدایت جاری کرنا ضروری ہے کہ اس میں کوئی سودی صورت اختیار نہ کی جائے۔

عمدہ لکھائی ——— بہترین چھپائی
مسودہ دیجئے ——— کتاب لیجئے
جمیل برادرز
——— ناظم آباد، کراچی ———